© rasailojaraid.com

بنت امیر شریعت سیدہ ام کفیل بخاری

ابا جی کی یادیں

محترمہ والدہ ماجدہ نے ذیل کے مضمون میں حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر قلم اٹھایا ہے۔ اس میں حضرت امیر شریعت کے سوانح بھی ہیں اور افکار بھی۔ واقعاتی زندگی کی جھلک بھی ہے اور اجتماعی زندگی کے نقوش بھی۔ والدہ ماجدہ کو اپنے "ابا جی" کی گھریلو مجالس سے استفادہ کے جتنے بھی مواقع میسر آئے وہ ان کی یادوں کی متاع عزیز ہیں۔ ذیل میں ایک سیاسی مسئلے اور اس سے متعلق شخصیات کے حوالے سے کچھ وضاحتیں ایسی آرہی ہیں کہ جن کا تعلق براہ راست حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کی شخصیت سے ہے۔ امیر شریعت رحمہ اللہ کی سوانح کے حوالے سے اب تک جو مواد سامنے آیا ہے اس میں مجلس احرار اسلام اور شاہ جی کی نسبت کچھ ایسی غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں جو مؤلفین کی معاصرانہ چشمک کی آئینہ دار ہیں۔

اس مضمون کی خوبی یہ ہے کہ اس میں مشاہداتی حقائق ہیں۔ چونکہ والدہ ماجدہ گھر پر ہی موجود رہتی تھیں اور وہ باتیں جن کا اظہار اجتماعی مفاد کے پیش نظر حضرت امیر شریعت عام مجالس میں نہیں فرماتے تھے والدہ ماجدہ کے استفسار پر گھریلو مجالس میں کبھی کبھار ان پر اظہار خیال فرما دیتے۔

ان حقائق کی اشاعت سے کسی کی شخصی توہین مقصود نہیں بلکہ تاریخی ریکارڈ کی درستی ہمارا مطمح نظر ہے (کفیل)

کشمیر میں ہجرت کر کے آنے والے ہمارے مورث اعلیٰ سید عبدالغفار بخاری رحمہ اللہ تھے جو سلطان زین العابدین بڈشاہ کے زمانے میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز رہے منشی محمد الدین صاحب فوق مرحوم نے تاریخ اقوام کشمیر میں پوری تفصیل دی ہے پہلے انہوں نے غلط فہمی میں ہمارا سلسلہ نسب جلال پور جٹاں کے سید حبیب اور عنایت شاہ صاحبان کے ساتھ جوڑ دیا پھر ماموں جان مرحوم سید عبدالحمید شاہ صاحب نے ان کو اصل شجرہ کی نقل مہیا کی تو انہوں نے تصحیح کر دی۔ والدین ماجدین رحمہم اللہ بتایا کرتے تھے انکے شعور کی عمر تک کئی رشتے ناطے کشمیر ہی میں خاندان کی دوسری شاخ میں ہوتے رہے بعد میں یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ کشمیر کا ذکر بہرحال گھر میں ہوتا تھا اور تحریک کشمیر کے حوالے سے خصوصاً ہوتا تھا۔ ابا جی کے ننھیال بھی کشمیر سے ہی ہجرت کر کے پٹنہ جا بسے تھے۔ بلکہ اس زمانے کے ہمارے بزرگوں نے ناگڑیاں میں ان کی دعوت کی تھی۔ اور تعلقات کا آغاز یہیں سے ہوا تھا۔ والدہ ماجدہ مصائب و حوادث کو مردانہ وار برداشت فرماتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھیں انہوں نے آن پر تو حرف نہ آنے دیا لیکن جان پر بن گئی۔ ۲۱ء میں جب ابا جی پہلی بار قید ہوئے وہ تقریباً ۱۶ برس کی تھیں ۳۳، ۳۴ء میں انہیں ہلکا بخار رہنے لگا اور ایک آدھ بار تھوک میں خون بھی آیا۔

رگ و پے میں جب اترا زہر غم تب اور کیا ہوتا؟

امرتسر میں ہمارے خاندانی معالج جناب حکیم ظہیر الدین صہبائی کشمیری تھے۔ حاذق طبیب اور کلے ٹھلے اور بود و باش سے کسی ریاست کے نواب دکھائی دیتے۔ ابا جی سے لیکر ہم بہن بھائیوں تک سب چچا کہتے تھے ابا جی تو اس لئے کہتے کہ عمر میں بڑے تھے اور ان کے رشتہ کے چچا سید محمد مقیم صاحب کے کلاس فیلو بھی تھے۔ انہوں نے اماں جی کا علاج شروع کیا اور ساتھ مشورہ دیا کہ موسم گرما میں ہمشیرہ صاحبہ کو پنجاب میں نہ رکھا جائے کسی صحت افزاء مقام پر لیجایا جائے وہ ڈلہوزی دیکھنے گئے لیکن پسند نہ کیا اور کوہ مسوری کی آب و ہوا کو اماں جی کے لئے مناسب بتایا تو چار سال تک موسم گرما میں ابا جی ہم سب کو مسوری لے جاتے اور ہمیں وہاں چھوڑ کو خود پنجاب کے تپتے میدانوں میں تقاریر کے پروگرام بھگتاتے رہتے۔ اور وہاں بھی چکر لگاتے رہتے۔ ہمارے پاس ماموں صاحب کو چھوڑ آتے۔ ابا جی ان معنوں میں "عالم" نہ تھے کہ عورتوں کو چار دیواری میں ہی قید رکھیں۔ ہاں تماشا گاہ عالم بن کے نکلنے کی نہ دین اجازت دیتا ہے نہ ان کی غیرت کو گوارا تھا۔ اس زمانے میں ابا جی نے ایکسرے بھی کروایا۔ مسوری میں چچا ظہیر صاحب کی تدبیر و علاج سے اللہ تعالیٰ نے فضل فرما دیا اور اماں جی کو ساری عمر پھر یہ شکایت نہ ہوئی چچا کافی دن ساتھ مقیم رہے میں تو بہت چھوٹی تھی اماں جی بتایا کرتی تھیں مسوری میں موسم خنک ہوا تو نسبتاً کم بلندی پر واقع قصبہ راجپورہ میں لے آئے کوئی کشتہ بھی بنا کر کھلایا پتا نہیں اب ایسے معالج کہاں پائے جاتے ہیں؟ اور اہل مسوری، ڈیرہ دون اور راجپورہ کی مہمان نوازیوں کے تذکرے اور تعریفیں آخر تک والدین فرماتے رہے اور ہمیں بتاتے رہے۔ سب پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم "۴۵ء میں ایک دن ابا جی گھر تھے یعنی ہمارے لئے عید کا دن تھا۔ اماں جی اور ہم بہن بھائی بیٹھک میں انکے پاس بیٹھے تھے کہ اماں جی کہنے لگیں۔ اب بڑوں کا وطن کشمیر ایک دفعہ دکھا دیں۔ اس وقت کچھ زیادہ بات نہیں ہوئی امرتسر میں کشمیر کے ایک نیک نہاد خاندان کے فرد جناب مولوی محمد سعید صاحب مرحوم رہتے تھے۔ وہ بچپن میں پڑھنے کے لئے امرتسر آئے پڑھتے بھی رہے محلہ کی مسجد میں امام بھی تھے بالکل نوعمر تھے کہ تحریک کشمیر احرار کی طرف سے شروع ہوئی۔ اس میں شریک ہوئے پوری استقامت سے جیل کاٹی اور اس طرح ابا جی سے ناطہ جڑ گیا۔ پھر ایسا جڑا کہ ابا جی کی زندگی میں ہی نہیں اپنے آخری دم تک ابا جی کے بعد بھی انہوں نے ہمارا گھر نہیں چھوڑا ہر سال چھ ماہ بعد اماں جی کو سلام کرنے ملتان آتے اور چند دن رہتے ان کی آمد ہم سب کو ایک فرد خاندان کی آمد محسوس ہوتی۔ جب سفر کشمیر کا تذکرہ چھڑا تو چند دن بعد وہ ابا جی سے ملنے آئے ابا جی نے ان سے ذکر کیا انہوں نے زبردست تائید کی۔ بلکہ یوں کہا کہ بڑے بھائی عرصہ سے منتیں کر رہے ہیں ہمیں اپنے بچے لا کر دکھاؤ آپ اگر چلیں تو میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔ ان کے چھوٹے بھائی اس زمانے میں ان کی طرح کسی مدرسہ غالباً مدرسہ نصرۃ الحق میں پڑھتے بھی اور کسی چھوٹی مسجد میں امام تھے مولوی محمد یوسف! مولوی صاحب نے ان کو کشمیر بھیجا جا کر پہلے کسی مکان کا بندوبست کرو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پٹن ایک قصبہ ہے۔ بارا مولا سے ۱۷ میل آگے اور سری نگر سے ۱۷ میل ادھر بالکل درمیان میں تب بھی سڑک پختہ تھی اس سے متصل تقریباً آدھ میل کے فاصلے پر مولوی صاحب کا چھوٹا سا گاؤں ''پوشوائیں'' تھا۔ پٹن میں ان کے بھائی نے اپنی صوابدید کے مطابق ایک پنجابی سکھ آباد کار کے مکان کی اوپر کی منزل کرایہ پر لیکر امرتسر اطلاع بھیجی کہ مکان مل گیا ہے آجائیں۔ چند دن تیاری میں لگے۔ ماموں جی مرحوم ملازمت کی وجہ سے امرتسر ہمارے ہاں ہی رہائش رکھتے تھے۔ بلکہ اباجی نے اصرار سے ان کو رکھا ہوا تھا کہ ان کے طویل دوروں کے دوران گھر میں کوئی مرد تو ہوتا تھا۔ منصوری تو وہ ایک دو بار ساتھ گئے لیکن اس دفعہ وہ گھر رہے بھائی جان کو اباجی نے جالندھر خط لکھا تو وہ مقررہ تاریخ سے کچھ روز قبل خصوصی طور پر سالانہ امتحان دے کر (خیر المدارس سے) گھر آگئے۔ اب دن تاریخ تو یاد نہیں اسلامی مہینہ شعبان تھا۔ انگریزی شاید جولائی۔ مولوی صاحب اپنے ہاں سے بمع اہل و عیال اسٹیشن پہنچ گئے اور ہم سب اپنے ہاں سے، ماموں جان لاہور تک ہمارے ساتھ آئے۔

اباجی کے پروگرام کا ان کے احباب کو علم تھا دفتر سے کچھ کارکن انہیں ملنے آئے ہوئے تھے۔ لاہور سے گاڑی تبدیل کی اور رات کسی وقت پنڈی پہنچے۔ راجہ بازار میں صوفی عنایت محمد صاحب پسروری مرحوم احرار کے وفادار ساتھی اور جوہر وسمہ مہندی کے موجد کی رہائش گاہ پر رات بسر کی ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ میں نے بارہا دیکھا کہ جب اباجی کسی بات کا پختہ ارادہ کر لیتے تو پھر رحمت الٰہی راستے کی ہر مشکل آسان اور ہر رکاوٹ دور کر دیتی تھی۔ کشمیر کے سفر کے سلسلہ میں کچھ روز متذبذب رہے پھر مولوی صاحب مرحوم کے کہنے سننے پر مکمل آمادہ ہوگئے۔ پنڈی پہنچ کر اباجی کا ارادہ ہوا کہ بجائے عام لاری پر سفر کرنے کے پوری لاری کرایہ پر لے لی جائے۔ صوفی صاحب مرحوم سے بھی مشورہ ہوا ہوگا۔ بہرحال صبح وہ خود لاریوں کے اڈہ پر تشریف لے گئے تو وہاں جن لوگوں سے ملاقات ہوئی ان سے بھی خاندانی تعلق نکلا۔ مری میں ''سنی بینک'' ہوا کرتا تھا اس کے مالک شیخ عبدالغنی عبدالعزیز صاحبان وغیرہ مرحومین تھے ان کے والد شیخ حسام الدین ہمارے گاؤں ناگڑیاں میں پٹواری رہے تھے۔ شیخ عبدالغنی اور ان کے بھائی اماں جی کی پھوپھی صاحبہ سے قرآن پاک پڑھے ہوئے تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے بہت دولت دی لیکن وہ استاد گھرانے کو بھولے نہیں ۴۶ برس کی بات بغیر کسی نوشتے کے من و عن تو یاد نہیں۔ ان بھائیوں میں سے ہی کسی کے لڑکے شیخ منظور صاحب اور غالباً عبدالقدیر صاحب ٹرانسپورٹ کمپنی کے مالک تھے۔ اباجی کو دیکھا تپاک سے ملے اباجی نے مقصد آمد بتایا تو کہنے لگے لاری حاضر ہے۔ اباجی نے کرایہ طے کرنے کو کہا اور حسب مزاج شدید اصرار فرمایا لیکن انہوں نے کرایہ لینے سے انکار کر دیا اباجی لاری لیکر صوفی صاحب کے مکان پر آئے اور ہم سب بمع مولوی سعید صاحب عازم کشمیر ہوئے راستے کے نظارے ہم سب بچوں کے لئے بہت بڑا سامان فرحت تھے۔ میں اور بھائی جان بڑے تھے باقی سب چھوٹے تھے۔ وقت تو یاد نہیں عشاء بہرحال ہو چکی تھی جب پٹن پہنچ گئے۔ مولوی صاحب کے بھائی رہائش گاہ کی تلاش صحیح نہ کر سکے دو پردہ دار کنبے اس گھر میں نہ رہ سکتے تھے۔ ایک بڑا کمرہ تھا۔ ملحق اور کیا تھا اب یاد نہیں۔ اس میں بھی سکھ مالک نے پیاز رکھے ہوئے تھے۔ ان کی بدبو اور پسوؤں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یلغار او نگھتے کھجلاتے رات بسر کی ناشتہ یاد ایسا آتا ہے مولوی صاحب کے بھائی گھر سے لائے تھے چائے پی کر اباجی بہتر مکان کی تلاش میں نکلے مولوی یوسف صاحب سے ایک دو دفعہ کہا سہی " اوئے ایہہ مکان لبھیا ای؟" سڑک پر کچھ دور تک چلے تو چند دکانیں تھیں جن میں سے ایک پھلوں کی دکان پر شائستہ و مہذب مالک کو دیکھ کر سلام و مصافحہ ہوا مولوی صاحب نے تعارف کرایا اور اباجی نے کرایہ کے مکان کی تلاش میں مدد کے لئے کہا۔ مالک دکان خواجہ غلام محمد صاحب جالب نے جو پھلوں کے بڑے تاجر تھے کہا کہ میرا مکان اس دکان کے اوپر خالی ہے آپ تشریف لے آئیں۔ اباجی نے کرایہ پوچھا تو کہنے لگے میں نے مکان کرایہ پر چڑھانے کے لئے نہیں بنایا آپ کو کرایہ ضرور دینا ہے تو کوئی اور ڈھونڈ لیجئے۔ اباجی نے مکان دیکھا ہماری ضروریات کے لئے بالکل کافی تھا۔ واپس آئے اور دوپہر سے پہلے پہلے ہم نے ایک اچھے ٹھکانے پر منتقل ہو کر اطمینان کا سانس لیا۔ سیڑھیاں چڑھیں تو دو کمرے آمنے سامنے درمیان میں راہداری سڑک کی طرف چھجہ۔ عقب میں کھیت اور ادھر بھی چھجہ اسی چھجہ میں بیت الخلاء کمرے سے ملحق غسلخانہ اور اس سے اوپر کی منزل پر ایک کمرہ۔ اس کمرہ میں مولوی صاحب کے بچے رہنے لگے۔ چند دن بعد وہ ددھیال چلے گئے۔ دھوپ کے وقت چھجہ پر بورے کی انگیٹھی پر کھانا پکتا اور سردی کے وقت کمرے میں۔ رمضان المبارک وہیں پٹن میں گزرا۔ ہمارے وہاں قیام کے دوران "سوپور" میں کشمیر نیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس ہوا۔ مولٰینا آزاد رحمہ اللہ تو ویسے ہی بعد از رہائی بحالی صحت کے لئے سری نگر میں مقیم تھے۔ جھیل ڈل میں کشتیوں کا جلوس نکالا گیا۔ سیاسی چپقلش کا براہوان کی دینی عظمت کا بھی احترام نہ کیا گیا اور بہت برا سلوک کیا گیا۔ بھائی جان مولوی سعید صاحب کے ہمراہ جا کر مولٰینا سے بھی مل آئے اور ایک نادیدنی نظارا بھی کر آئے۔ سوپور کو راستہ پٹن سے ہی جاتا تھا۔ اور خواجہ صاحب (مالک مکان) نیشنل کانفرنس کے رکن تھے انہوں نے دکان کے سامنے استقبالی دروازہ بنایا اور ہر رہنما کا استقبال پھولوں سے کیا جو لوگ گزرے ان میں پنڈت جواہر لال نہرو عبدالغفار خان، قاضی عطاء اللہ جان سابق وزیر تعلیم سرحد۔ میاں افتخار الدین شیخ محمد عبداللہ مرزا افضل بیگ یاد ہیں۔ مولوی محمد سعید مسعودی مرحوم۔ پنڈت نہرو میاں افتخار الدین کی کار میں تھے مولوی سعید صاحب نے ہاتھ ملانے کے بعد اباجی کا نام لیا کہ وہ بھی یہاں ہیں پنڈت نہرو نے کہا اچھا شاہ صاحب یہاں ہیں مولوی صاحب اباجی کو بلا کر لے گئے۔ بڑے تپاک سے مصافحہ کے بعد کہنے لگے کہ چلئے "سوپور" اباجی نے کہا سوچ رہا ہوں جلسہ کا آخری دن تھا۔ پنڈت کہنے لگے ابھی آپ سوچ رہے ہیں؟ میاں افتخار بولے کار حاضر ہے تشریف رکھیئے اباجی نے کہا آپ کے جانے کے بعد سوچوں گا۔ بچوں میں بھائی عطاء المحسن بھی کھڑا تھا۔ پنڈت سب سے خوش دلی سے مصافحہ کر رہے تھے۔ اباجی نے بھائی کی طرف اشارہ کر کے مسکراتے ہوئے کہا یہ میری ایک یادگار ہے۔ پنڈت نے بھائی سے بھی ہاتھ ملایا اور گلے میں سے ایک ہار اتار کر بھائی کے گلے میں ڈال دیا۔

خواجہ صاحب کے گھر کے ساتھ کھیتوں کی طرف چھوٹی سی مسجد بھی تھی رمضان شروع ہوا تو ان کی حسب خواہش بھائی جان نے وہاں تراویح میں قرآن پاک سنانا شروع کیا۔ مولوی صاحب کا بڑا لڑکا حافظ محمد اسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرحوم تب دس گیارہ برس کا تھا حفظ کر چکا تھا۔ بھائی جان کا استاد بھائی بھی تھا۔ حضرت قاری کریم بخش صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کا وہ بھی شاگرد تھا اور بھائی جان بھی۔ اسلم ہی بھائی جان کا سامع بنا۔ خواجہ صاحب کہتے تھے جب سے قرآن نازل ہوا یہ پہلا رمضان ہے جس میں یہاں تراویح میں پورا قرآن پڑھا گیا۔ سادہ لوح کشمیری بھائی ذوق و شوق سے سنتے رہے ایک عجیب رواج دیکھا مرد تو مسجد چلے جاتے اور عورتیں اکٹھی ہو کر گیت گاتیں اللہ جانے نعتیں پڑھتیں یا کیا۔ کشمیری ہمیں کونسی سمجھ آتی تھی دو تین دن بعد اباجی نے قصبہ کے عمائدین خواجہ صاحب، غلام قادر صاحب، نمبردار وغیرہ کو بلا کر اس رسم کی قباحت سمجھائی اور عورتوں کو منع کرنے کے لیے کہا۔ اباجی کے سمجھانے کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اور پھر پورا رمضان کبھی کہیں سے عورتوں کی آواز نہیں سنی۔ سحر کے وقت گھڑی کا الارم تو بولتا ہی تھا کوئی بندۂ خدا وہاں تھا جس کو خدا نے بڑی بلند آواز عطا کی تھی وہ سڑک پر کھڑا ہو کر پوری قوت سے کہتا تھا وقت سحر جاگو! اور دور دور تک اس کی آواز سنی جاتی تھی۔

کشمیری لوگ چاول ہی دونوں وقت کھاتے تھے اور حیرت ہوتی تھی سڑک کے پار سامنے بے چارے غریب لوگوں کے گھر تھے دونوں وقت خواتین پتھر کے بڑے بڑے کونڈوں میں کھڑے ہو کر دھان چھڑتی تھیں اور جھٹ پٹ چاول نکال کر چھان پھٹک کر ابال لیتی تھیں۔ حقیقت ہے کہ غربت کے ہاتھوں مجبور گھرانے پیاز نمک مرچ کا مسالہ بھون کر اس میں پچ ڈال کر (چاولوں سے نکلی ہوئی) شوربہ بنا لیتے تھے اور اسی سے ابلے چاول کھا لیتے تھے۔ معمر لوگ کہتے تھے کوئی زمانہ تھا ہم ناشپاتیاں اور سیب کاٹ کر اپنی گائیوں کو کھلاتے تھے اور آج ہمیں خود میسر نہیں۔ ظلم کی انتہا تھی کہ چنار کا درخت خواہ کسی کی کے ذاتی مکان میں اگ آئے وہ سرکار کی ملکیت ہے۔ مالک مکان اس کی لکڑی استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ سرکاری حکم کے مطابق۔ جو بھی درخت کاٹتا چوری چھپے کاٹتا لیکن غریب سے غریب کشمیری مہمان نوازی کو فرض سمجھتا تھا۔ دو غریب عورتیں کسی کسی دن آجاتیں زبان انہیں آتی نہ ہمیں۔ کوئی لفظ سمجھ آجاتا کچھ اشاروں سے سمجھا دیتیں ان کے بیٹے یا خاوند مٹر اور آلو کے ٹکڑے ڈال کر پکوڑے بنا کر بیچتے تھے وہ ایک دو دفعہ ہدیہ کے طور پر پکوڑے لے آئیں پھر اماں جی نے کہا کہ تم یہ تکلیف نہ کیا کرو۔ ان کی تواضع بھی کی اور کچھ خدمت بھی جب تک ہم پٹن میں رہے وہ آتی رہیں۔ مہر ددی اور بیب ددی۔ میرے خیال میں یہ ہندی کا بگڑا ہوا "دیدی" ہے بمعنی بہن۔

رمضان میں قاضی احسان احمد صاحب مرحوم، جاں باز صاحب اور چچا جان شیخ حسام صاحب ہمارے پاس کشمیر آئے شیخ صاحب نے تو عید بھی ہمارے پاس کی باقی حضرات ایک دو دن رہ کر واپس آگئے۔ اہل قصبہ کے اصرار پر عید اباجی نے پڑھائی ان سے پہلے مولوی سعید صاحب نے کشمیری زبان میں تقریر کر کے مسائل سمجھائے وہاں لاؤڈ اسپیکر کہاں تھا؟ لیکن قصبہ کے پانچ سات سو آدمیوں نے بغیر کسی دقت کے اباجی کی تقریر و خطبہ سنا اور نماز بھی ادا کی آواز سب سے بڑی نعمت تھی جو اباجی کو عطا کی گئی۔

عورتوں کے لئے بھی کیمپ لگایا گیا تھا۔ ہم ماں بیٹی خواجہ صاحب اور مولوی صاحب کی اہلیہ نے بھی وہاں نماز ادا کی۔ خواجہ صاحب کے ہاں سے عید پر کشمیر کا خاص سالن "گشتابہ" بطور ہدیہ بھیجا گیا۔ نمبردار غلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قادر صاحب کے ہاں بھی دعوت کی گئی وہاں ایک دو اور گھروں میں بھی جانا ہوا۔ بڑی بڑی سینیوں میں خشکہ ہوتا اور اوپر تھوڑے تھوڑے وقفے سے پانچ سات سالن فرشی نشست اور مہمان و میزبان مل کر کھاتے۔ کیا ہی اچھا رواج تھا۔ خواجہ صاحب کے ۴ بچے تھے تین لڑکے اور ایک لڑکی کوئی تین برس کی۔ عطاء المحسن سلمہ اور عطاء المؤمن سلمہ کی منظور احمد منصور احمد ہلال احمد بٹ سے خوب دوستی تھی۔ محسن میاں نے تو کافی کشمیری سیکھ لی تھی گنتی یاد کر لی تھی۔

جب ۴۶ء کے الیکشن کے بعد مرحوم شورش وغیرہ نے مولوی مظہر علی صاحب کی یونینسٹ پارٹی سے پخت و پز کا بھانڈا پھوڑا تب معلوم ہوا کہ جانباز صاحب مرحوم کو بھی ایک مشن پر بھیجا گیا تھا۔ مولوی صاحب مرحوم نے الیکشن کا اعلان ہوتے ہی انتخابات میں حصہ لینے کا بحیثیت جنرل سیکرٹری اعلان کر دیا۔ پھر جناح صاحب کی ذاتی زندگی پر جلسہ عام میں حملہ کر دیا اور اباجی کے مشورہ و علم کے بغیر یونینسٹوں سے تعاون کا پیکٹ بھی کر لیا۔ مولوی ابراہیم علی چشتی جو محکمہ تعلقات عامہ کے اخبار کے ایڈیٹر بھی تھے (اخبار کا نام اسوقت یاد نہیں آرہا) دفتر احرار لاہور میں اباجی سے ملاقات کے لئے آئے وہ کشمیر تھے۔ دفتر والوں سے پارٹی کے امیدواروں کے حلقہ ہائے انتخاب میں اباجی کی تقریروں کا سوال کیا۔ پھلوں کی ٹوکری ساتھ لائے تھے وہ اصحاب دفتر نے قبول کر کے تناول فرمالی اور جانباز صاحب نے اباجی کو آمادہ کرنے کی حامی بھر لی ان کی خدمت میں چشتی صاحب نے کشمیر کا کرایہ آمد و رفت پیش کیا۔ وہ پٹن آئے اور دو دن رہ کر چلے گئے۔ ان کی جرأت نہ ہوئی کہ اباجی سے اس مہم کا ذکر کرتے جسے سر کرنے لئے وہ بھیجے گئے تھے۔ اگر انہوں نے ہی اباجی کو صورت حال بتا دی ہوتی تو شاید الیکشن ختم ہونے پر ہی پنجاب آتے۔ شورش نے ہی اباجی کو بتایا تھا کہ یونینسٹ پارٹی سے مولوی صاحب نے جو کچھ وصول کیا اس کے حساب کتاب میں آپکے کھاتے میں پھلوں کی ایک ٹوکری لکھی ہوئی تھی اور وہ وہی تھی جو قبول کر کے جانباز صاحب کو اباجی کو آمادہ کرنے بھیجا گیا تھا۔ اور اس قصہ کا علم ہونے پر اباجی کا کیا حال ہوا تھا؟ شورش کی کتاب میں پڑھا جا سکتا ہے۔

رمضان کے بعد بھائی جان کی تعطیلات ختم ہو رہی تھیں اس لئے وہ تو مولوی سعید صاحب کے ساتھ جا کر سری نگر، ٹنگ مرگ، گلمرگ وغیرہ سے ہو آئے۔ جس لاری پر ہم کشمیر آئے تھے اس کے ڈرائیور اسلم خاں صاحب نامی تھے۔ بہت شریف انسان وہ ہمارے قیام کے دوران جب پنڈی سے کشمیر آتے اباجی سے مل کر جاتے۔ ایک دفعہ وہ آئے تو اباجی نے بتایا کہ چند دن بعد بھائی جان نے جانا ہے آپکے ساتھ سفر ہو گا تو مجھے اطمینان رہے گا۔ چنانچہ مقررہ دن اسلم خاں پٹن رکے اور بھائی جان کو پنڈی تک پہنچایا۔ پھر جب ہم لوگوں نے واپس ہونا تھا تب بھی انہی سے کہا اور اباجی نے مکمل کرایہ ادا کیا۔ بھائی جان کے جالندھر جانے کے کچھ دن بعد اباجی سری نگر گئے اور ہری سنگھ ہائی سٹریٹ میں ایک مکان کی بالائی منزل کرایہ پر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے نچلی منزل میں ایک ہندو کنبہ رہتا تھا۔ پھر آکر ہمیں سری نگر لے گئے مختصر سامان ساتھ لیا باقی پٹن ہی پڑا رہا۔ ہم نے جو مقامات دیکھے وہ یہ تھے شاہی چشمہ، نشاط باغ، شالامار باغ، درگاہ حضرت بل، جھیل ڈل، شہر کے وسط میں ہے۔ ہاؤس بوٹ اس میں کھڑے رہتے۔ شکارے اور کشتیاں چلتیں درگارہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت بل حضور علیہ السلام کے موئے مبارک رکھنے کی جگہ ہے۔ ضعیف الاعتقاد خواتین لال پیلے نیلے پراندوں کے تاگے منتیں مان کر جالیوں سے باندھ جاتی تھیں اور جب اللہ تعالیٰ مراد پوری فرما دیتے تو حضرت بل آکر چڑھاوے چڑھاتی تھیں۔ عورتیں بھی کشتیوں میں سبزیاں رکھ کر ہاؤس بوٹ میں مقیم لوگوں کے پاس بیچتی تھیں موئے مبارک تو خاص تاریخ کو دکھایا جاتا ہو گا بس ایک نظر عمارت کو دیکھا تھا۔

راجہ ہری سنگھ کا درزی محمد شریف کہیں تحریک کشمیر کے دنوں اباجی سے بیعت ہوا تھا جب آمد کا سنا تو بااصرار آکر دعوت قبول کروا گیا۔ بے چارا بے اولاد تھا۔ کے ایچ خورشید مرحوم کے والد صاحب نے بھی اباجی کی سری نگر میں آمد سنی تو اصرار کر کے ہمارے سمیت رات کے کھانے کا کہہ گئے اور اباجی ہمیں لے گئے۔ سری نگر کے محلہ گندر پورہ میں عید گاہ کے بالکل قریب ہمارے ہم جد خاندان کے لوگ اب بھی آباد ہیں تب چار بھائی سید محمد حسن شاہ صاحب، مولوی سید محمد قاسم شاہ صاحب فاضل مدرسہ امینیہ دہلی، سید محمدامین شاہ صاحب اور غالباً چوتھے سید محمد یوسف تھے جو اباجی سے ملے اور بھی لوگ تھے۔ حسن شاہ صاحب اباجی کو امرتسر بھی کبھی کبھار خط لکھا کرتے تھے۔ ہمیشہ فارسی میں لکھتے۔ بالمشافہ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ جس روز وہ سری نگر سے پٹن آئے اباجی خواجہ غلام محمد صاحب کے پاس دوکان میں بیٹھے ہوئے تھے تانگہ آکر رکا اباجی کی نظر پڑی تو اباجی نے خواجہ صاحب سے کہا یہ شخص مجھے اپنے خاندان کا معلوم ہوتا ہے۔ اتنے میں وہ دوکان تک آپہنچے انہوں نے سلام کیا اباجی وعلیکم السلام کہکر بغلگیر ہو گئے اور کہا آپ سید محمد حسن شاہ صاحب ہیں نا؟ وہ حیران ہو کر بولے آپ نے کیسے پہچانا؟ فرمایا آنکھ سے۔ وہ واپس جاتے ہوئے بڑے اصرار سے گھر آنے کی دعوت دے گئے۔ چنانچہ جب ہم لوگ سری نگر گئے تو اباجی نے ان کو آمد کی اطلاع دی ان میں سے کوئی بھائی آکر گھر لے گئے رات ہمیں رکھا اور مہمان نوازی کی حد کر دی۔ خواتین میں سے صرف ایک اردو جانتی تھیں باقی صرف کشمیری بولتی تھیں۔ اردو جاننے والی بے چاری ہی ہماری ترجمان بنی رہیں۔ مولوی سعید صاحب کے بچے چند دن کے لئے آئے اور قابل دید مقامات دیکھ کر پٹن واپس چلے گئے۔ صحیح یاد نہیں کوئی مہینہ دن ہم سری نگر رہے۔ پھر پٹن واپسی ہوئی۔ مولوی صاحب مرحوم کے درویش صفت بڑے بھائیوں نے دو دفعہ ہماری بھی دعوت کی بڑی ہی تکریم سے اباجی کو ملے بار بار کہتے آپکی وجہ سے ہمارا بچھڑا بھائی ہم سے مل گیا ان کے مکان کے ساتھ اخروٹوں کا باغ تھا۔ اور دور تک مخملیں گھاس کا قطعہ مغرب کی اذان اباجی نے اس باغ میں خود دی اور نماز بھی پڑھائی وہ منظر اور وقت اب بھی یاد آتا ہے تو روح شاد کام ہو جاتی ہے۔

اکتوبر کے شروع میں ہم واپس ہوئے تھے۔ دور سے دکھائی دینے والی اونچی چوٹیوں پر برف گرنی شروع ہو گئی تھی۔ جس روز پٹن سے رخت سفر باندھا بلا مبالغہ کئی سو آدمی لاری کے گرد اکٹھے تھے اباجی نے ان کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا اور دیر تک دعا کی۔ کئی نیک دل تو رو رہے تھے۔ اسلم خاں کچھ دیر سے لاری لائے۔ سامان وغیرہ رکھتے بھی وقت لگا جب ہم "چناری" پہنچے تو رات کافی ہو گئی اباجی نے فرمایا رات یہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکتے ہیں۔ صبح بقیہ سفر کریں گے۔ یاد ہے اب تک سڑک کنارے چھوٹا سا اکبر مسلم ہوٹل تھا اس کے دو کمرے لے لئے گئے ایک میں ہم عورتیں اور دوسرے میں ابا جی اور مولوی صاحب وغیرہ۔ دوسرے روز دوپہر کو واپس پنڈی پہنچے اور رات صوفی صاحب ہی کے ہاں گزاری دوسرے دن گاڑی سے لاہور پہنچے۔ امرتسر کے خواجہ جمال الدین بٹ ابا جی کے مرید تھے اور امرتسر سے لاہور تک ان کی لاری چلتی تھی یا تو ابا جی نے پنڈی سے اطلاع کی ہو گی یا لاہور پہنچ کر کہا ہو گا۔ کیونکہ دفتر احرار سے کافی کارکن ملنے آئے ہوئے تھے اسٹیشن پر۔ بہرحال لاری سٹیشن پر موجود تھی اس میں بیٹھے۔ امرتسر پہنچ کر مولوی صاحب کے کنبہ کو کٹڑہ کرم سنگھ میں ان کی گلی کے سامنے اتارا اور ہمیں لاری نے گلوالی دروازہ مکان تک پہنچایا اور یوں بھائی میرے وہ سفر تمام ہوا جس کی روداد محض یادداشت کے بل پر تم مجھ سے لکھوا رہے ہو۔ کشمیر کا خصوصی تحفہ کچھ "کانگڑیاں" اماں جی فرمائش سے لائیں اور رشتہ دار خواتین کو تحفہ دیا۔ علاوہ ازیں پتھر کے نگینوں والے آویزے، انگوٹھیاں، ہار میں نے چند ہم سنوں کے لئے منگوائے اخروٹ اور مسالے کی بڑیاں کافی تقسیم کی گئیں۔ کشمیر کی بہترین سرخ مرچ اور کئی دوسرے مسالے ڈال کر بڑیاں بنتی تھیں اور تھوڑی سی توڑ کر ہانڈی میں ڈالنے سے سالن کا رنگ اور ذائقہ ہی اور ہو جاتا تھا۔

بخاری کی عظمت

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو یہ عظمت حاصل ہے کہ انہوں نے تحریک پاکستان کی شدید مخالفت کرنے کے باوجود قیام پاکستان کے بعد دل کے ساتھ پاکستان کے وجود کو تسلیم کر لیا۔ انہوں نے دہلی دروازہ لاہور کے میدان میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے یہ اعتراف کیا کہ

"قیام پاکستان کے مسئلہ پر میری رائے ہار گئی اور مسٹر جناح کی رائے جیت گئی"

بخاری کی عظمت کا یہ بہت بڑا ثبوت ہے کہ اس نے ایک بہادر شخص کے طور پر اعتراف کیا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری بلاشبہ بہت بڑے خطیب تھے۔ ان کی خطابت کا یہ عالم تھا کہ گھنٹوں بولتے تھے اور سامعین کی یہ خواہش ہوتی کہ وہ بولتے چلے جائیں۔ قرآن مجید کی تلاوت تو ان پر ختم تھی۔ واقعی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کی تلاوت کے سحر سے انسان ہی نہیں درختوں کی ٹہنیاں بھی جھوم رہی ہیں۔ پھر یہ کہ وہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والا ایک سچا عاشق رسول ﷺ تھا۔ اپنے معاصرین میں ان کا جو احترام تھا وہ میں آپ کو کیا بتاؤں کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے کبھی گاندھی اور نہرو کا بھی اٹھ کر استقبال نہیں کیا ہو گا لیکن اگر کبھی عطاء اللہ شاہ بخاری ابوالکلام آزاد کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ گھر سے باہر آ کر ان کو خوش آمدید کہتے۔

اقتباس انٹرویو:۔ سید احمد سعید کرمانی۔ ہفت روزہ حرمت اسلام آباد۔ صفحہ ۹۔ ۲۹ دسمبر۔

© rasailojaraid.com